عقدِ ذمہ کی آئینی و شرعی حیثیت

حافظ محمد سعد اللہ *

اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کیلئے عموماً جو اصطلاح استعمال ہوتی ہے وہ ''اھل الذمہ'' یا ''ذمی'' کی ہے۔ ان الفاظ کے اندر اتنی جامعیت اتنی معنویت اتنی فصاحت و بلاغت اور اتنی گہرائی موجود ہے کہ یہ الفاظ ہی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے معاشرتی مرتبہ و مقام عزت و احترام اور ان کے تمام حقوق (جن کی وضاحت آگے آ رہی ہے) کا ایک طرح سے تعین کر دیتے ہیں۔ اسی معنویت کو دیکھتے ہوئے مولانا مودودی نے لکھا ہے:

> ذمی کوئی گالی نہیں ہے اور نہ یہ لفظ شودر اور ملیچھ کا ہم معنی ہے۔ ذمہ عربی زبان میں (Guarantee) کو کہتے ہیں اور ذمی وہ شخص ہے جس کے حقوق ادا کرنے اور محفوظ رکھنے کا اسلامی حکومت نے ذمہ لیا ہو۔(۱)

اسی طرح مولانا مناظر احسن گیلانی ذمی کے لفظ میں پنہاں معنویت کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

> ''مسلمانوں کے عہد حکومت کی غیر مسلم رعایا جن کا اصطلاحی نام ذمی ہے۔ ذمی کے اس لفظ کو بلا وجہ رسوا کرنیکی کوشش جو کی گئی ہے اور ایسے مہیب تصورات کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ شاید خود مسلمانوں کو بھی اس لفظ کے استعمال میں گونہ شرمندگی سی محسوس ہونے لگی ہے۔ حالانکہ اس لفظ ہی میں کوئی بات ایسی نہیں جو مسلمانوں کیلئے باعث ندامت ہو۔ اردو میں بھی ذمہ کا عربی لفظ مستعمل ہے۔ مسلمانوں کی حکومت غیر مسلم اقوام کے جن لوگوں کی عزت جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لیتی ہے، ذمہ کے لفظ کے ساتھ نسبت کی ''ی'' کا اضافہ کر کے ذمی کا لفظ بنا لیا گیا ہے اور رعایا کے اس طبقہ کی تعبیر اس سے کی جاتی ہے۔ پھر آپ ہی بتایئے کہ اس میں مسلمانوں کیلئے شرمانے کی کیا بات ہے۔(۲)

عقدِ ذمہ کی تعریف

چنانچہ ذمی کا لفظ لغوی اعتبار سے ''ذمۃ'' سے ماخوذ ہے اور لفظ ''ذمہ'' عہد، ضمانت، کفالت، امان، حرمت،

---

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

جبکہ المنجد میں مادہ ذمم کے تحت ذمی کی تعریف ان الفاظ میں ہے:

الذی اعطی الذمة ای الامان یعنی الذی امن علی ماله وعرضه ودمه۔(۸)

ذمی وہ شخص ہے جسے ایسا عہدو پیمان دیا گیا ہو کہ جس کے باعث وہ اپنے مال اپنی عزت وآبرو اور اپنی جان کے بارے میں مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے۔

عقد ذمہ کی آئینی حیثیت

یہ عقد ذمہ یا عہد و پیمان کیا محض رسمی، دکھاوے کی اور کاغذی کاروائی ہوتی ہے یا اسکی کوئی آئینی حیثیت اور اہمیت و وقعت بھی ہوتی ہے؟ اس کا اندازہ ایک تو حضرت عمر فاروقؓ کی اس وصیت سے ہو جاتا ہے جو آپ نے شہادت کے وقت اپنے مابعد خلیفہ کو ذمیوں سے متعلق کی تھی۔ آپ نے فرمایا:

واوصیه بذمة الله وذمة رسوله ﷺ ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم ولا یکلفو الاطاقتهم ۔(۹)

میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ اہل الذمہ کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے جو ذمہ دیا گیا ہے اس کی حفاظت کرے، ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کرے، ان پر حملہ ہو تو ان کے دفاع میں جنگ کرے اور ان پر اتنا ہی بوجھ (جزیہ) ڈالے جتنا کہ وہ اٹھا سکیں۔

اسلام میں عقد ذمہ کی کیا آئینی حیثیت ہے اسے پورا کرنا کس قدر ضروری ہے اس کے بارے میں مشہور حنفی فقیہ علامہ ابوبکر الکاسانی نے عقد ذمہ کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جہاں تک عقد ذمہ کی صفت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ ہمارے (اہل اسلام کے) حق میں تو لازم ہے کہ مسلمان اسے توڑنے کا کسی حال میں بھی اختیار نہیں رکھتے ۔ البتہ ذمیوں کے حق میں یہ لازم نہیں ہے تاہم فی الجملہ یہ ٹوٹنے کا احتمال رکھتا ہے لیکن یہ صرف تین امور میں سے کسی ایک امر سے ہی ٹوٹ سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ذمی اسلام قبول کرلے کیونکہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے عقد ذمہ تو قبول اسلام کے وسیلے کے طور پر باندھا جاتا ہے اور اس کے اسلام قبول کرنے سے یہ مقصود حاصل ہو گیا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ وہ دارالحرب سے جا ملے کیونکہ دارالحرب سے جا ملنے سے وہ بمنزلہ مرتد کے ہو جاتا ہے۔۔ تیسرا امر یہ ہے کہ وہ کسی علاقہ پر غلبہ حاصل کرلیں اور مسلمانوں سے لڑنا شروع کردیں کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اہل حرب ہو جاتے ہیں اور معاہدہ لامحالہ ٹوٹ جاتا ہے۔''

یہ عقد ذمہ اسلام میں کس قدر مضبوط ہوتا ہے اور اسلامی ریاست اس کی کس حد تک پابند ہے؟ اس سلسلے

اغراض کیلئے ضروری یا مفید ہو۔ یہ سارے حقوق اسلامی شریعت کے اسی طرح اجزاء ہیں جس طرح خدا اور رسول کے عائد کردہ دوسرے فرائض اور واجبات اس لیے ان کا بہر شکل اور بہر حال قائم رکھنا اسلامی حکومت کے لیے اسی طرح ضروری ہے جس طرح شریعت کے دوسرے احکام وواجبات کا۔اگر ان میں سے کسی حق کو بھی بغیر کسی واقعی عذر کے ضائع کیا گیا تو اسلامی ریاست صرف اس زمین ہی پر اس کے لیے جوابدہ نہیں بلکہ اسکے بعد اسکی اصل جوابدھی خدا کے سامنے ہے اور وہاں اس مقدمہ میں مظلوم اھل ذمہ کے وکیل جیسا کہ احادیث میں تصریح ہے، خود محمد رسول اللہ ﷺ ہوں گے۔

ذمیوں کو یہ حقوق مسلمانوں یا ان کی حکومت کی طرف سے نہیں بلکہ خدا اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے اور ان کی ضمانت پر دیے جاتے ہیں۔ان کی ادائیگی میں دانستہ اور بلا عذر کوتاہی خدا اور رسول سے خیانت اور غداری ہوگی۔ذمیوں کے یہ حقوق کم سے کم ہیں۔خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے عطا کیے جانے کی وجہ سے ان میں ذرا سی کمی کرنے کا بھی کسی اسلامی حکومت کو حق نہیں ہے۔ان سے زیادہ وہ جو چاہے دے مگر ان میں سے کوئی حق کم کرنیکی وہ مجاز نہیں''۔(۱۲)

عالمی منشور انسانی حقوق کی آئینی حیثیت تقابلی جائزہ:

اسلام میں عقد ذمہ کے ذریعے اھل ذمہ کو جو انسانی اور شہری حقوق دیے جاتے ہیں ان کی آئینی قانونی اور شرعی حیثیت کے مختصر جائزہ لینے کے بعد مناسب ہوگا کہ اقوام متحدہ کے معروف ''عالمی منشور انسانی حقوق'' (Universal Declaration of Human Rights) مجریہ 10 دسمبر 1948ء کی حقیقت اور آئینی حیثیت کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔تاکہ اللہ اور رسول ﷺ یا دوسرے لفظوں میں اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق اور مفاد پرست اقوام کے دیے گئے نام نہاد انسانی حقوق کے درمیان بنیادی فرق و امتیاز کا اندازہ لگایا جاسکے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ نے دور حاضر میں انسانی حقوق کے شعور کی ارتقائی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے آخر میں اقوام متحدہ کی طرف سے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ کو پاس ہونیوالے عالمی منشور حقوق انسانی کا تذکرہ کیا ہے۔اور اس کے بعد اسکی آئینی و قانونی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''اس پورے منشور کے کسی جزء سے کوئی اختلاف کسی بھی قوم کے نمائندوں نے نہیں کیا۔اختلاف نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ صرف عام اصولوں کا اعلان و اظہار تھا۔کسی نوعیت کی پابندی کسی پر بھی عائد نہ ہوتی تھی۔یہ کوئی معاہدہ نہیں ہے جس کی بنا پر دستخط کرنیوالی تمام حکومتیں اسکی پابندی پر مجبور

س کی مدد سے نو آزاد ممالک اپنے آئین وضع کرتے وقت بنیادی حقوق کے رسمی باب کو سہولت کے ساتھ مرتب کر لیتے ہیں۔اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے۔قانونی نقطہ نظر سے اس کا کوئی وزن و مقام نہیں۔ بنیادی حقوق کے محافظ کی حیثیت سے اس منشور کی قوت واہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف سیاسی قیدیوں کے معاملات سے متعلق بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل (Amnesty International) کی شائع شدہ رپورٹ برائے سال ۷۶۔۱۹۷۵ کے مطابق اقوام متحدہ کے ۱۴۲ رکن ممالک میں سے ۱۱۳ ملکوں میں بنیادی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کی گئیں اور طاقت کے بیجا استعمال' بلا جواز گرفتاریوں' سیاسی قید و بند' جبر وتشدد اور سزائے موت کے واقعات اور پریس پر پابندی' عدلیہ کے اختیارات میں کمی' آمرانہ قوانین کے نفاذ اور بنیادی حقوق منسوخ و معطل کئے جانے کے اقدامات میں عالمگیر سطح پر تشویش ناک اضافہ ہوا ہے۔(۱۴)

عصر حاضر میں ذمی کی اصطلاح کا مسئلہ

پاکستان سمیت تمام اسلامی ممالک میں اس وقت جتنے غیر مسلم لوگ آباد ہیں آیا ان کیلئے ذمی کی اصطلاح استعمال کی جا سکتی ہے۔یا نہیں اس سلسلے میں موجودہ بین الاقوامی صورت حال اور سوچ کچھ اس طرح کی ہے کہ شرعی اصطلاح میں ذمی کا لفظ جیسا کہ اوپر گزرا چاہے کتنا با معنی مقدس اور ذمہ داری وحفاظت کا مفہوم لیے ہوئے ہو اور اس میں ذلت وتحقیر کے معنی کی مسلمان جتنی نفی کریں غیر مسلم اس لفظ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ان کا خیال ہے کہ ذمی کے تصور سے وہ دوسرے درجے کے شہری قرار پاتے ہیں۔

علاوہ ازیں تمام اسلامی ممالک میں غیر مسلم اقلیتوں کو استعماری طاقتوں کی تائید وحمایت حاصل ہے دوسری طرف اسلامی ممالک کی سیاسی وعسکری اور معاشی صورت حال بھی سراسر استعماری طاقتوں کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ ارباب اختیار و اقتدار میں ایمانی جرات اور حمیت و غیرت کا جذبہ بھی قابل رحم حد تک مفقود ہے اس لئے "الضرورات تبیح المحذورات"۔(۱۵)(مجبوریاں ممنوع چیزوں کو بھی جائز قرار دے دیتی ہیں)کے مسلمہ فقہی قاعدہ کی رو سے ضروری نہیں کہ ان حالات میں غیر مسلموں کیلئے ''ذمی'' کی اصطلاح پر ہی زور دیا جائے۔ذمی کی مذکورہ تعریف کے مطابق اگر وہ اللہ اور اسکے رسول کے ذمہ میں نہیں آنا چاہتے تو یہ انکی صوابدید ہے۔اس کے علاوہ اسلام لفظوں میں الجھنے کی بجائے اصل مقصد کو ترجیح دیتا ہے۔چنانچہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں اہل مکہ کے نمائندے نے ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کے الفاظ پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے ان الفاظ پر زور نہیں دیا بلکہ اسکی رائے کے مطابق

گی۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جزیہ قبول کر لینے کے وقت تک ان سے جنگ کرنے کو مباح ٹھہرایا ہے۔ جب انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا تو جنگ کی اباحت ختم ہو گئی۔ جب جنگ کی اباحت ختم ہو گئی تو از خود ان کی جانوں کی عصمت ثابت ہو گئی۔ اور اس عقد ذمہ کا دوسرا نافذ العمل حکم یہ ہے کہ ان کے مال بھی معصوم و محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ مال نفس کی عصمت کے تابع ہے۔ علاوہ ازیں حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

انما قبلوا عقد الذمة لتكون اموالهم كا موالنا ودماء هم كد مائنا ۔(۱۹)

بیشک ان لوگوں نے عقد ذمہ اس لیے قبول (منظور) کیا ہے کہ ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح محفوظ و معصوم ہو جائیں۔

عقد ذمہ کی مشروعیت کی حکمت

گزشتہ صفحات میں یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ جب کوئی غیر مسلم قوم اسلامی ریاست کو ''جزیہ'' کی شکل میں ایک معمولی ٹیکس دینا منظور کر لیتی ہے تو از روئے قرآن اسلامی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ اس سے جنگ نہ کرے اس پر کسی ظاہر پرست اور معترض کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جزیہ کا وجوب یا عقد ذمہ کی مشروعیت تو غیر مسلموں کے کفر پر راضی رہنے کے مترادف اور ان سے جزیہ کی شکل میں مال وصول کرنے کیلئے ہے۔ فقہائے اسلام کی دور بین اور باریک بین نگاہوں سے یہ شبہ اوجھل نہیں رہا۔ لہذا اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اس سے مقصود محض جزیہ وصول کرنا نہیں بلکہ انہیں اس بات کی مہلت اور موقع دینا مطلوب ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے محاسن پر غور کریں اور اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ مشہور فقیہ مفسر ابن العربی نے جزیہ کی مشروعیت کی ایک حکمت یہ لکھی ہے کہ:

"انه لو قتل الكافرليئس من الفلاح ووجب عليه الهلكة فاذا اعطى الجزية وامهل لعله ان يتد براالحق ويرجع الى الصواب لا سيما بمراقبة اهل الدين والتدرب بسماع ما عند المسلمين الاترى ان عظيم كفرهم لم يمنع من ادرار رزقه سبحانه عليهم وقد قال النبی ﷺ لاحد اصبر على اذى من الله يعافيم ويرزقهم وهم يدعون له الصاحبة والولد"۔(۲۰)

اگر کافر کو قتل کر دیا جائے (اور جزیہ قبول کر کے اسے زندہ رہنے کا موقع نہ دیا جائے) تو یقیناً یہ اخروی کامیابی سے مایوس ہو جائے گا اور ہلاکت اس پر واجب ہو جائے گی۔ مگر جب اس نے جزیہ دے دیا اور یوں مہلت

یا عموی اصول تو یہ ہے کہ ناگزیز مفاسد میں سے چھوٹے مفسدہ کو برداشت کر کے بڑے مفسدہ کو دور کیا جاتا اور بڑے مفسدہ کے دور کرنے کی خاطر دینوی مصلحت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔مگر یہاں اس شرعی اصول کے برعکس معاملہ ہے وہ اس طرح کہ کفار کے اموال میں سے جزیہ کی صورت میں معمولی مفاد اٹھا کر کفر جیسی عظیم خرابی کو بڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے بلکہ یہ کفر تو وہ خرابی ہے جسے دنیا و مافیہا کے بدلے بھی ختم کیا جانا چاہئے چہ جائیکہ جزیہ کے اس معمولی مفاد کی خاطر کفر کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے۔تو شریعت میں اس کا حکم کیوں وارد ہوا اور اسے کیوں نہیں منع کیا گیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ قرافی نے لکھا ہے:

(طوالت کے خوف سے ہم یہاں صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کر رہے ہیں)

''دراصل جزیہ کا قاعدہ بڑے مفسدہ کے دفعیہ اور بڑی مصلحت کے حصول کیلئے چھوٹی خرابی کو اختیار کرنے کے باب سے ہے اور یہی قواعد شرعیہ کی شان اور اصول ہے۔اس جمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جب کافر کو قتل کر دیا جائے گا تو اس پر ایمان اور جنت کی سعادت حاصل کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا اور حتمی طور پر اس پر کفر اور ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ میں جلنے اور دین کی ناراضگی کا فیصلہ کر دیا جائے گا لہذا اللہ کریم نے اس امید پر جزیہ مشروع فرمایا کہ شاید وہ آنے والے وقت میں دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے۔جب اسے اسلام کے محاسن کا پتہ لگے گا اور جزیہ کی وصولی میں اسے ذلت وخواری پر مجبور ہونا پڑے گا تو بطور خاص اس کے اسلام لانے کی امید کی جاسکتی ہے۔پھر جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے اسلام لانے سے اسکی ذریت (اولاد) بھی اسلام لے آئے گی۔پھر اس طرح اس کی طرف سے کفر کی بجائے اسلام کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔اور بالفرض اگر وہ خود اپنے کفر پر ہی مر گیا اور اسلام نہیں لے آیا تو ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس کے بعد باقی رہنے والی اس کی اولاد اسلام قبول کر لے گی اور اسی طرح قیامت تک اسکی اولاد در اولاد سے اسلام کی توقع کی جاسکتی ہے۔اور ایمان کی ایک گھڑی بھی کفر کے طویل زمانہ کے برابر ہے۔'' (۲۳)

عقد ذمہ کی مذکورہ غرض و غایت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جونہی کوئی ذی آدی اسلام قبول کرے تو شرعی اعتبار سے جزیہ اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔(۲۴)

اسی طرح بعض اموی حکمران (آل مروان) اھل الذمہ میں سے اسلام قبول کرنے والوں سے بھی اس نقطہ نظر سے جزیہ لیتے رہے تھے کہ یہ ایک شخصی ٹیکس ہے جو کسی کے اسلام قبول کر لینے سے ساقط نہیں ہوتا مگر جب

ہے مثلاً یہ کہ جزیہ دینااس بات کی علامت ہے کہ اس غیر مسلم فرد یا قوم نے اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کر لی ہے۔دوسرے جزیہ غیر مسلم افراد کو ہر قسم کے استحصال اور ظلم و زیادتی سے بچانے کا موثر وسیلہ ہے۔تیسرے اسلامی ریاست کے لیے ایک آمدن کا ذریعہ ہے جسے وہ مصالح عامہ اور رعایا کی بنیادی ضروریات پر خرچ کرتی ہے۔(۲۷)

عقد ذمہ کی شرائط

عقد ذمہ کی شرائط کے ضمن میں بھی فقہاء اسلام نے خاصی تفصیلات ذکر کی ہیں مثلاً بعض فقہاء اور علماء سیاست نے عبدالرحمٰن بن غنم اور اھل الجزیرہ کے درمیان طے پانے والے اس معاہدے کو درج کیا ہے جسکی منظوری عبد الرحمٰن بن غنم نے خلیفہ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ سے حاصل کی۔(۲۸)اس معاہدہ میں اسلامی حکومت کی بجائے خود اھل الجزیرہ نے اپنے حوالے سے بہت سی شرائط اور پابندیاں قبول کی ہیں۔

اسی طرح علامہ قرافی نے''الفروق'' کے جز ثالث میں ۱۱۸ویں فرق کے تحت اس مسئلہ میں کوئی پانچ چھ صفحات پر مشتمل بیسیوں شرائط بیان کی ہیں۔ پھر ان شرائط کو تین اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ کن شرائط کو پورا نہ کرنے سے عقد ذمہ ٹوٹ جائے گا اور کن سے نہیں ٹوٹے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔(۲۹)

علاوہ ازیں دیگر فقہاء نے بھی اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اور اپنے اپنے انداز میں عقد ذمہ کی شرائط بیان کی ہیں۔تاہم ان میں اکثر شرائط وہ ہیں جن کا آج کے زمانے میں تصور یا ان پر عمل ممکن نہیں۔لہٰذا اس مسئلے میں علامہ ماوردی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے نزدیک مختصر اور جامع ہے دوسرے اس سلسلے میں بعض شرائط پر جو شبہات اور اعتراض وارد ہوتا ہے (جس پر تفصیلی گفتگو آگے آئے گی) اس کا جواب بھی مل جاتا ہے۔لہذا ہم اسی کو یہاں نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

چنانچہ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ کے تیرھویں باب میں جزیہ کی تفصیلات (مثلاً جزیہ اور خراج میں کتنی جہتوں سے اتحاد اور کتنی جہتوں سے فرق ہے، آیت جزیہ کی تفسیر، کن غیر مسلموں سے عقد ذمہ ہو سکتا ہے اور کن سے نہیں، کن اھل الذمہ سے جزیہ وصول کیا جائے گا اور کن سے معاف ہوگا، جزیہ کی مقدار وغیرہ) بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''جزیہ'' کے ساتھ دو شرطیں اور قابل لحاظ ہیں ایک ضروری اور دوسری غیر ضروری۔

ضروری شرط میں چھ امور داخل ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ (قرآن مجید) پر کسی قسم کے طعن یا اس میں تحریف کے مرتکب نہ ہوں۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب وتوہین نہ کریں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) مودودی، ابوالاعلیٰ: اسلامی ریاست اسلامک پبلکشنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۴۸۳

(۲) مقالات گیلانی (مقالہ: مسلمانوں کی حکومت میں غیر مسلم اقوام)، شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب لاہور 2004ء ص: ۳۹۴۔۳۹۵

(۳) دیکھئے: ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء ۱۲/۲۲۱۔

(۴) دیکھئے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لفظ ذمہ)، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۰/۲۵۔

(۵) تھانوی، محمد اعلیٰ (م ۱۱۹۱ھ) کشاف اصطلاحات الفنون، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳ء ۱/ ۵۱۶

(۶) ابن منظور افریقی: لسان العرب ۱۲/ ۲۲۱

(۷) مصدر سابق

(۸) لویس معلوف، المنجد فی اللغۃ (مادم ذمم) دار المشرق بیروت ۱۹۸۸ص ۲۳۷

(۹) بخاری: الجامع الصحیح کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ، ابو یوسف کتاب الخراج ص ۱۴

(۱۰) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۵ھ ۷/۱۱۲۔۱۱۳

(۱۱) مودودی، ابوالاعلیٰ: اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ص ۴۸۳

(۱۲) اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست، دار التذکیر اردو بازار لاہور، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۰۰، ۲۰۱

(۱۳) اسلامی ریاست ص ۵۵۳۔۵۵۴۔

(۱۴) بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن لاہور (ص ۹۵۔۹۶)

(۱۵) ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم (م ۹۷۰) الاشباہ والنظائر، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ت۔ن ۱/ ۱۱۸۔

(۱۶) تفصیل کیلئے دیکھئے بخاری، الجامع الصحیح بمع شرح کرمانی (کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء) دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ۱۶/ ۱۱۷، رقم ۳۹۶۶۔

(۱۷) دیکھئے امام ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۱۲۰۔۱۲۱، ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال (باب نمبر ۷۷۔ پیرہ نمبر ۱۶۹۳ تا ۱۷۰۳) ص ۶۹۴ تا ۶۹۸۔

(۱۸) کتاب الاموال (پیرہ نمبر ۱۶۹۹) ص ۶۹۶، ۶۹۷۔

(۱۹) کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۰ھ ۷/ ۱۱۱

(۲۰) ابن العربی، ابو بکر محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، دار احیاء الکتب العربی ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء ۲/ ۹۱۳

(۲۱) کاسانی، بدائع الصنائع ۷/ ۱۱۱۔

(۲۲) سرخسی شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل: شرح السیر الکبیر، دار المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ت ن ۳/ ۲۴۹۔۲۵۰۔